مقالاتِ عثمانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ
کے چند علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی مقالات و بیانات
کا حسین اور نادر مجموعہ

جلد دوم

مرتّب
مولانا شفیع اللہ صاحب
جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد
مع ضمیمہ

الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد

سوال

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اما بعد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ خیر القرون سے استمداد و استعانت بارواح الانبیاو الاولیاء آج تک معمول اسلام رہا اور سب صلحا و مشائخ اپنے مہماتوں میں استعانت بالغیر کرتے رہے اور کامیاب بھی ہوئے لیکن آجکل بعض حضرات اس کو منع کرتے ہیں اور اس کو شرک و بدعت فرماتے ہیں۔ اتنا خلجان ہے کہ اگر عوام پر شرک کا حکم لگادیں جن میں حضرات مشائخ نے اس امر کو کیا دوسروں کو بھی اس امر کا تجویز فرمایا تو ان کو کس طرح اس حکم سے نکالیں۔ فی الحال محض اپنے تصحیح اعتقاد کیلئے یہ عبارات پیش کرتا ہوں ان کا جواب تحت عنوان دعوت عامہ النور میں تحریر فرمادیں واللہ ثم باللہ مجھے سوائے تصحیح اعتقاد اپنے کے کچھ غرض نہیں ہے نہ مجادلہ و عناد کا خیال ہے اور نہ کسی شے کا واللہ العظیم ثم باللہ العظیم محض لوجہ اللہ تعالیٰ۔ ذرا عبارت آتیہ پر غور امعان فرما کر تفصیل جواب دیویں دو چار مہینہ میں بھی ہو تو کچھ ڈر نہیں والسلام۔

عن ربیعۃ بن کعب قال کنت مع رسول اللّٰہ فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل فقلت اسالک مرافقتک فی الجنۃ الخ رواہ مسلم مشکوۃ ص ۸۴ مجتبائی از طلاق سوا کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نکرو بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہرچہ خواہد ہرکرا خواہد بان پروردگار خود بدہد اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری بدر گاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن مرقات میں بھی

اسی مضمون کے مطابق ہے۔ عن ابی حنیف ان اعمراتی النبیؐ فقال یا رسول اللّٰہؐ ادع اللّٰہ ان یعا فینی قال ان شئیت صبرت فھو خیرلک قال فادعہ فامران یتوضاً فحسن وضوءہ ویدعو بھذ الدعاء اللھم انی اسالک واتوجہ الیک غییک الخ رواہ ترمذی والنسائی و ابن ماجہ والحاکم حرز ثمین حاشیہ حصن خصین مطبوعہ لکھنو جوہر منظم میں لکھا ہے استعمل السلف ہذا الدعاء فی حاجاتہم بعد موتہؐ علامہ خفاجی شرح شفا میں لکھتے ہیں وکان بن حنیف ونبوہ یعلمو بہ الناس وقد حکی فیہ حکایات فیھا اجابۃ دعاء من دعابہ من غیر تاخیر. عن یدبن علی عن عقبۃ بن عزوان عن النبی انہ قال اذا ضل احدکم شیئااو ارادعوناً وھو بارض لیس بھا افلیس فلیقل یاعباد اللّٰہ اعینونی (۳) فان للّٰہ عباد الا لرلھم رواہ البطرانی حرزا الثمین مطبوعہ لکھنئو صفحہ ۱۲۷ حکی لی بعض شیوخنا الکبار فی العلم انفلتت لہ دابۃ اظنھا بغلۃ وکان یعرف ھذا لحدیث فقال لہ حبسبھا اللّٰہ علیھم فی الحال و کنت انا مرۃ مع جماعۃ فانفلتت بھیمۃ وعجزوا عنھا فوقفت فی الحال بغیر سبب من ھذا الکلام ذکرہ النوری فی الاذکار الحرز الثمین صفحہ ۱۲۷ اور آنحضرتؐ کی پھوپھی صفیہؓ سے ثابت ہے انہوں نے بعد وفات آنحضرت کہا ہے الایام رسول اللّٰہ انت رجائنا و کنت بنا براً ولم تک جافیاً و قد قال رسول اللّٰہ اذتم تم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور مرقاۃ الوصول صفحہ ۱۵. روی عن محمد بن الحسن الشیابی عن ابی یوسف و وکیع ان ابا حنیفہ کان یزورقبر محمد، الجعفر الصادق و یکنس علی بابہ ویعطی المجاورین فتوحاً و یطلب الاستعانہ منہ فی الامور قال الشیخ عبدالقادر من استغاث بی فی کربۃ کشفت عنہ و من نادانی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللّٰہ تعالیٰ فی حاجۃ قضیت لہ زبدۃ الاثار للشیخ الدھلوی ایسا ہی اخبار الاخیار میں ہے عن بعض اصحاب الشیخ

محی الدین نزلنا فی بریة ولا یقف الاخ علی اخیه من الخوف فلما حملنا الاجمال من اوائل اللیل فقدت اربعه اجمال فلم اجدها فلما نشق الفجر ذکرت قول الشیخ (الذکور قبل) فقلت یا شیخ عبدالقادر جمالی فقدت (۳) ثم التفت الی مطلع الفجر فرایت فی ضوع الفجر من اول مالشق رجلاً شدیدة بیاض الثیاب علی رابیة وهو یشیر الی حکمه ای تعال فلما صعدنا علی الرابیة لم نراحداً ثم رایت الا ربعة الاجمال لحب الرابیة انتهی ملخصاً خلاصة المفاخر للسافعی سیدی احمد بن رزوق که از اعاظم علماء وفقہا ومشائخ مغرب ست گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرمی ازمن پرسید کہ امداحی قوی است یا امدادمیت من بگفتم کہ قوی میگونید کہ امدادحی قویست ومن میگویم امدادمیت اقوی ست لیس شیخ گفت نعم زیراکہ او در بساط حق ست ودر حضرت اوست اشعۃ اللمعات للشیخ الدہلوی حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں وقد تواتر عن کثیر من الاولیئک یعنی ارواحهم انهم ینصرون اولیائهم ویدمرون اعداهم مجددالف ثانی بعض مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ ہم چنیں ارباب حاجات از اعزہ احیا واموات درمخاوف ومہالک مدد ہامی طلسیند ومی مینیند کہ صورا عزہ حاضر شدہ رفع بلیرازینہا نمایند فتوی علمای امرتسر صفحہ ۳۷ منہیہ ردالمختار میں ہے قرر الزیادی ان الانسان اذا ضاع له شی وا رادی دالنه علیه فنیقف علی مکان عال مستقبل التربة ویقول یا سیدی احمد بن علوان ان ترد علی ضالتی والانز عتک من دیوان الاولیاء انتهی ملحصاً اما قولهم یا شیخ عبدالقادر فهو نداء واذا اضیف شیا للّٰه فهو طلب شی اکراما للّٰه فما الموجب لحرمته خیر الدین املی استاد درمختار حضرت محبوب العالم مریدان خودرابعد نماز اجازت خواندن شیئاً اللہ یا حضرت سلان...... یکصد وسیزدہ بارداده اندکہ برائے ہر حاجت کفایت کنہ خواجہ میرم یہ سب نقول نداء غائبانہ واستغاثت مذکورہ پرصراحۃً اجازت دے رہے ہیں بلکہ احادیث سے اس کا مندوب مستحسن ہونا صریحاً مستفاد ہے اب ان کو

کس طرح کفر وشرک کہا جائے تفصیلاً اس کا جواب رسالہ النور میں بھیج دیویں والسلام لوجہ اللہ تعالیٰ جواب باصواب مشکور فرماویں اور الزامی اور اسکاتی جواب چونکہ شفا بخش نہیں ہوتے ہیں اس لئے ان سے معاف رکھیں۔

والسلام علیکم

الجواب

واللہ الموفق للصواب۔ سائل کو جزئیات مذکورہ سے جو خلجان پیش آیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ وہ استمداد و استعانت بالغیر کی انواع واقسام سے غالباً واقف نہیں ہے یا واقف ہے مگر اس کا خیال یہ ہے کہ علماء اہل سنت تمام صورتوں کو شرک و کفر یا حرام و ناجائز بتلاتے ہیں حالانکہ یہ خیال غلط ہے پس سب سے پہلے اس کو استعانت و نداء بالغیر کی اقسام اور ہر ایک کے احکام سمجھنے چاہئیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ استمداد و استعانت بالغیر (1) یا تو غیر خدا کو مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر ہے یعنی نعوذ باللہ یہ سمجھ کر کسی بشر سے استعانت چاہے کہ اس کے اندر خانہ زاد قدرت ہے کہ وہ جو چاہے خود کر سکتا ہے اور یہ قدرت خدا کی دی ہوئی نہیں ہے یا یہ کہ اس کی قدرت کو خانہ زاد اور مستقل تو نہیں سمجھتا (2) بلکہ خدا کی دی ہوئی سمجھتا ہے مگر اس کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے قدرت حاصل کر لینے کے بعد اب یہ مستقل ہو گیا ہے۔ جس وقت جو چاہے کر سکتا ہے جس کو چاہے دے، جس کو چاہے نہ دے اور جب خداوند کریم نے اس کو یہ قدرت کاملہ عطا فرما دی تو اب سوال کرنا اور دعا مانگنا اور مرادیں چاہنا اسی کے ساتھ مخصوص ہو گیا یا مخصوص نہ ہو مگر خدا سے بھی (3) سوال کرو جب بھی دینے والا وہی غیر ہو گا کیونکہ یہ کام اس کے سپرد ہو چکا ہے۔

پہلے اعتقاد کے صریح کفر ہونے میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا اعتقاد تو کفار و مشرکین بھی اپنے معبودوں کے ساتھ نہیں رکھتے وہ بھی قادر بالذات اور مستقل قدرت والا خدا تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں چنانچہ زمانہ جاہلیت میں کفار مکہ تلبیہ اس طرح کہتے تھے

﴿لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک الا شریکا ھو لک تملکه وما ملک﴾

''حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ شریک جو کہ آپ ہی کے ہیں آپ اُن کے اور ان کی سب مملوکات کے مالک ہیں۔''

اور قرآن میں بھی جہاں جہاں ان کے اقوال مذکور ہیں سب سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو قادر بالذات ہرگز نہ سمجھتے تھے۔ یَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ، مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى..

وہ کہتے ہیں کہ یہ (اصنام) خدا کے یہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں ان کی عبادت ہم صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

دوسری صورت پہلی صورت سے گو بظاہر کم ہے مگر شریعت اسلامیہ نے اس کو بھی شرک وکفر قرار دیا ہے کیونکہ یہ وہی اعتقاد ہے جو کفار ومشرکین اپنے معبودوں کی نسبت رکھتے تھے۔ ان کا خیال یہی تھا کہ خدا تعالیٰ قادر بالذات ہے مگر اس نے ان اصنام کو اپنی طرف سے قدرت عطا کر دی ہے، جس کے حاصل کر لینے کے بعد اب یہ مستقل ہو گئے جو چاہیں کر سکتے ہیں، جس کو چاہیں نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں اور چونکہ یہ کام ان کے سپرد ہے اس لئے خدا سے بھی دعا کی جائے گی تو وہ بھی اس درخواست کو انہی کے پاس بھیج دے گا جیسے سلاطین دنیا بعض کاموں کو اپنے ماتحت حکام کے سپرد کر دیتے ہیں کہ ان کاموں کے لئے ماتحت حکام ہی سے عرض معروض کی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص بلاواسطہ بادشاہ کے پاس اس کام کی درخواست بھیج دے تو بادشاہ اس کو ماتحت حاکم ہی کے یہاں واپس کر دیتا ہے کہ یہ کام ہم نے اس کے متعلق کر دیا ہے وہیں سے اس کا فیصلہ ہوگا۔ شریعت اسلامیہ نے صاف صاف بتلا دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ایسے نائب اور ماتحت حکام بالکل نہیں ہیں جو خدا تعالیٰ سے اختیارات حاصل کر لینے کے بعد خود مستقل ہو گئے ہوں۔ سلاطین دنیا کو اپنی کمزوری کی وجہ سے ایسے

نائبوں کی ضرورت ہوتی ہے، خدا کو اس کی ضرورت نہیں۔ تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز مستقل طور پر نہیں ہے۔

﴿اِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَن لَّا تَعْبُدُوْ اِلَّا اِيَّاهُ. اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا. لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًا. وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ وَ هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ. مَن ذَالَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. وَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُّدْخِلَ اَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوْا وَ لَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِىَ اللّٰهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ رَحْمَةٍ اه. وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يابنى عبدمناف انقذوا انفسكم من النار لا اغنى عنكم من الله شيئا يا بنى عبدالمطلب انقذ وا انفسكم من النار لا اغنى عنكم من الله شيئا يا فاطمه بنت محمد انقذى نفسک من النار لا اغنى عنکَ من الله شيئا ويا صفية عمة رسول الله انقذى نفسک من النار لا اغنى عنک من الله شيئا الحديث وقال صلى الله عليه وسلم اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا رادلما قضيت ولا ينفع ذا الجد منک الجد. وقال صلى الله عليه وسلم. انما انا قاسم والله يعطى وقال تعالىٰ ما يفتح الله للناس من رحمة فلا ممسک لها وما يمسک فلا مرسل له من احدٍ من بعده. وقال تعالىٰ اِنَّکَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ. وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

بِمُؤْمِنِيْنَ. اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ الاية وَ مَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُO﴾

ترجمہ:۔ "نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کا اُس نے اس کا حکم کیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ زمین و آسمان میں کوئی نہیں ہے مگر سب کے سب خدائے رحمٰن کے سامنے غلام بن کر حاضر ہوں گے اُس نے سب کو احاطہ کرلیا اور شمار کرلیا ہے۔ اور سب کے سب قیامت کے دن تنہا تنہا آئیں گے۔ اُسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے وہی پناہ دے سکتا ہے اُس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اللہ ہی روزی دینے والا زبردست قوت والا ہے۔ وہ کون ہے جو خدا کے سامنے بدون اس کی اجازت کے شفاعت کر سکے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اُس کا عمل جنت میں داخل نہ کرے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی (آپ کا عمل داخل نہ کرے گا) فرمایا مجھ کو بھی نہیں مگر یہ کہ حق تعالیٰ مجھے مغفرت و رحمت کے ساتھ ڈھانپ لیں۔" (رواہ البخاری کذافی تیسیر الوصول (صفحہ ۱۴)

ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش (کے آدمیوں) کو عام اور خاص طور پر پکارا اور فرمایا کہ اے جماعت قریش تم اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خریدلو (یعنی اُس کے عذاب سے بچالو) اے کعب بن لوی کی اولاد اے عبد مناف کی اولاد اے جماعت بنی ہاشم اے جماعت بنی عبدالمطلب سب کے سب اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔ اے فاطمہؓ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اپنی

جان کو آگ سے بچالے کیونکہ میں خدا کی قسم اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا ہاں البتہ تمہارے لیے قرابت کا ایک تعلق ہے جس کے حقوق کو میں پورا کرتا رہوں گا۔ اور ایک روایت میں حضرت عباس اور حضرت صفیہ کا نام بھی ہے۔ اور ایک روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ اتنا اور زیادہ ہے سلینی من مالی ماشئت لا اغنی عنک من اللہ شیئا. میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو لیکن خدا تعالیٰ (کے عذاب) سے بچانے میں میں تم کو کچھ نفع نہیں دے سکتا اھ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ شفاعت بھی نہ کریں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ میرے قبضہ میں کوئی چیز نہیں ہے شفاعت وغیرہ بھی حق تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے اور اُسی کے حکم سے ہو سکتی ہے واللہ اعلم اخرجہ ابن جریر فی تفسیرہ بطریق مختلفہ یشید بعضہا بعضا صفحہ ۷۲،۷۳ جلد ۱۹۔۱۲ مولف۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ جو کچھ آپ دیں اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو آپ روک دیں اس کو دینے والا وئی نہیں اور نہ آپ کی قضا و قدر کو کوئی رد کرنے والا ہے اور نہ کسی اقبال والے کو آپ کے مقابلہ میں اُس کا اقبال نفع دے سکتا ہے۔

میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور دینے والا خدا ہی ہے۔ حق تعالیٰ لوگوں کے لیے جس رحمت (کے دروزہ) کھول دے اس کو بند کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو بند کر دیا اس کو چھڑانے والا کوئی نہیں خدا کے سوا۔

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے آدمی گو آپ کتنا بھی چاہیں

ایمان والے نہیں۔ کیا یہ لوگ خدا کی رحمت کو خود بانٹنا چاہتے ہیں
ہم نے ہی ان کے درمیان اُن کی معاش کو تقسیم کر دیا ہے (وہ خود
کچھ نہیں کر سکتے)۔

غرض بکثرت نصوص و آیات اس پر دال ہیں کہ کارخانہ الٰہی میں کوئی نبی یا ولی خود مستقل اور مختار کار نہیں ہے البتہ جس طرح حق تعالیٰ نے عام انسانوں کو بعض افعال کی کچھ قدرت عطا کی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ افعال شرعاً بندوں کی طرف منسوب ہوتے اور انہی کے افعال شمار ہوتے ہیں۔ جن میں قدرت حاصل کرنے کے بعد بھی وہ سراسر خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ جیسے کھانا پینا چلنا پھرنا، تجارت و حرفت وغیرہ اسی طرح انبیاء و اولیا کو ان کا اعجاز یا کرامت ظاہر کرنے کے لئے عام لوگوں سے کچھ زیادہ قدرت دی ہے۔ جس میں وہ محض آلہ اور سفیر ہوتے ہیں۔ مستقل اور مختار کار نہیں ہوتے۔ پس ایک صورت استمداد و استعانت کی یہ ہوئی کہ غیر خدا سے ایسے امور میں استعانت چاہی جائے جو بظاہر عادۃً انسان کی قدرت میں ہیں مگر اس کو محض آلہ اور ذریعہ اور سفیر سمجھا جائے۔ یہ صورت استمداد زندہ انسان سے بالاتفاق جائز ہے۔ اور چونکہ مرنے کے بعد انسان کو ان امور عادیہ کی قدرت نہیں رہتی جن کی زندگی میں قدرت حاصل تھی۔ اس لئے مرنے کے بعد امور عادیہ میں بھی کسی سے امداد چاہنا خواہ آلہ اور ذریعہ ہی سمجھ کر ہو جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کسی قدر اس کے استقلال اور با اختیار ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے اور شریعت نے استقلال کے شبہ سے بھی روکا ہے۔ البتہ مرنے کے بعد فیضان روحانی حاصل کرنے میں انبیاء و اولیاء سے استعانت جائز ہے کیونکہ یہ قوت ان کو وفات کے بعد بھی بدلیل کشفی اسی طرح حاصل رہتی ہے۔ جیسے امور عادیہ جسمانیہ کی قوت زمانہ حیات میں ہوتی ہے۔

اور ایک صورت استعانت کی یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی سے زندگی میں یا وفات کے بعد ایسے امور میں استعانت و استمداد کی جائے جو عادۃً قدرت بشری سے خارج ہیں مثلاً ان سے اولاد مانگنا بارش وغیرہ طلب کرنا یا شفاء چاہنا یہ بالکل ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسی استعانت سے بہت قوی شبہ ان کے استقلال و خود اختیاری کا ہوتا ہے گو استعانت کرنے

والے کا یہ اعتقاد نہ ہو مگر شریعت اسلامیہ نے ایہام کفر و شرک سے بھی روکا ہے۔ چنانچہ غیر اللہ کی قسم کھانا یا کسی جاندار کی تصویر گھر میں رکھنا اسی لئے حرام ہے کہ اس میں ایہام شرک ہے۔ گو اعتقاد شرک نہ ہو البتہ امور عادیہ و غیر عادیہ میں انبیاء و اولیاء کے ساتھ توسل کرنا جائز ہے۔ یعنی حق تعالیٰ سے دعا کرنا کہ الٰہی فلاں نبی یا ولی کی برکت سے یہ حاجت پوری کر دے۔ محققین کے نزدیک اس کا کچھ مضائقہ نہیں خواہ توسل زندہ کا ہو یا میت کا۔

اور ایک صورت استعانت کی یہ ہے کہ کوئی نبی یا ولی کسی خاص وقت میں باذن الٰہی اپنا اعجاز یا کرامت ظاہر کرنے کے لئے کسی خاص شخص یا جماعت سے یہ فرما دیں کہ فلاں وقت جو شخص یا خاص شخص ہم سے جو حاجت مانگے گا۔ وہ اس کو مل جائیگی۔ یا ہم دیں گے۔ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمارا معجزہ یا کرامت ظاہر کرنے کیلئے اس کی حاجت کو پورا کر دینگے۔ اس صورت میں اگر وہ خاص شخص یا خاص جماعت جس کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے ان سے اپنی حاجت میں امداد چاہی اور اس نبی یا ولی کو محض ذریعہ اور سفیر سمجھے اور حقیقی حاجت روا خدا تعالیٰ کو خیال کرے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ اور چونکہ کرامت و اعجاز میں خلاف عادت امور ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں طاقت بشریہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا وہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزۃً یا کرامۃً صادر ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے نبی یا ولی کی صداقت اور ان کا مقرب الٰہی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ خارق عادت کا استمرار ضروری نہیں اس لئے ایسی استعانت مستمراً جائز نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ استعانت و استمداد بالغیر کی آٹھ صورتیں ہیں۔

شرک ــ (۱) یہ کہ ماسوائے خدا کو خواہ کوئی ہو قادر بالذات سمجھ کر اس سے مدد چاہنا

شرک (۲) یہ کہ قادر بالذات تو نہ سمجھے بلکہ اس کی قدرت کو خدا کی دی ہوئی جانے مگر یہ اعتقاد رکھے کہ خدا سے قدرت حاصل کر کے یہ مستقل اور خود مختار ہو گیا ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

بریلویوں کا عقیدہ

جائز (۳) یہ کہ اس کو محض آلہ اور ذریعہ سمجھے اور حاجت روا حق تعالیٰ کو سمجھے اس کی

چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس اعتقاد کے ساتھ کسی زندہ سے امور عادیہ میں (جو عادۃً و شرعاً انسان کا فعل شمار ہوتے ہیں) امداد چاہے اور یوں کہے کہ اے فلاں تم میرا یہ کام کر دو یا مجھے روپیہ پیسہ دیدو۔

(۴) کسی زندہ سے امور غیر عادیہ میں (جو عادۃً وشرعاً انسان کی قدرت سے خارج ہیں اور اس کا فعل شمار نہیں ہوتے، اعانت طلب کرے مثلاً یوں کہے کہ اے مرشد مجھ کو اولاد دیدو۔

ناجائز - حرام

(۵) کسی نبی یا ولی سے بعد وفات کے روحانی فیض حاصل کرنے میں مدد چاہے۔

جائز

(۶) ان سے بعد وفات کے امور غیر عادیہ میں یا ایسے امور عادیہ میں جو مرنے کے بعد انسان کی طاقت سے باہر ہو جاتے ہیں مدد چاہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اے نبی یا ولی میرے مقدمہ میں تم میری امداد کرو یا مجھ کو مرض سے شفا دو یا مجھے اولاد دیدو وغیرہ وغیرہ۔

بریلویوں کا عقیدہ - ناجائز

جائز (۷) امور عادیہ وغیر عادیہ میں کسی نبی یا ولی حی و میت کے توسل سے دعا کرے یا ان سے دعا وشفاعت کی درخواست کرے۔

جائز

(۸) جب کوئی نبی یا ولی اعجاز یا کرامت کے طور پر کسی سے کہے کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ اس وقت ان سے اپنی حاجت مانگے خواہ وہ امور عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ صورت اول و دوم تو شرک ہے اور تیسری صورت باتفاق اہل تحقیق جائز ہے اور چوتھی صورت ناجائز ہے۔ مگر اعجاز و کرامت کے اظہار کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ نمبر ۸ میں آتا ہے اور پانچویں صورت باتفاق جائز ہے اور چھٹی صورت ناجائز ہے اور ساتویں ایک محقق کے نزدیک اور آٹھویں صورت بھی جائز ہے الغرض چار صورتیں جائز اور چار ناجائز ہیں اور جو صورتیں جائز ہیں وہ اسی شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ حاجت روا خدا تعالیٰ کو سمجھے اور نبی یا ولی کو ذریعہ اور وسیلہ خیال کرے۔ اسی طرح نداء بالغیر میں بھی تفصیل ہے۔

جائز - (۱) یہ کہ زندہ کو قریب سے پکارے۔
جائز - (۲) زندہ کو غائبانہ پکارے پھر اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ محض شوق اور محبت میں ایسا کرے۔ پکارنا مقصود نہ ہو۔
شرک -(۳) یہ کہ اعتقاد یہ ہو کہ وہ دور سے بھی سنتے ہیں پہلی دو صورتیں جائز اور تیسری حرام ہے یہی تفصیل وفات کے بعد پکارنے میں ہے۔
جائز - (۱) یہ کہ نبی یا ولی کے مزار پر جا کر ان کو پکارے۔
جائز (۲) یہ کہ دور سے ان کو پکارے مگر مقصود پکارنا نہ ہو بلکہ محض محبت وشوق کے غلبہ میں ایسا ہو جائے۔
شرک -(۳) یہ کہ اعتقاد ہو کہ وہ دور سے بھی سنتے ہیں۔
جائز - (۴) یہ کہ غائبانہ ندا کرے مگر مقصود نہ پکارنا ہے نہ غلبہ شوق ومحبت ہے بلکہ کسی دعا میں ان کا نام بصیغہ ندا مذکور ہے اس کو دعا سمجھ کر ویسے ہی پڑھتا ہے۔

ان میں صورت اول باتفاق محققین جائز ہے۔ بشرطیکہ مزار کے پاس جا کر ندا میں استعانت محرمہ کا قصد نہ ہو۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ بلکہ محض سلام وغیرہ کے طور پر ندا ہو اور دوسری صورت بھی باتفاق جائز ہے اور تیسری صورت ناجائز ہے کہ عقیدہ شرک ہے چوتھی صورت اس شرط سے جائز ہے کہ وہ صیغہ ندا کسی آیت یا حدیث میں وارد ہوا ہو جیسا کہ تشہد میں السلام علیک ایہا النبی بصیغہ ندا مذکور ہے۔

اس تفصیل سے امید ہے کہ سائل کے شبہات زائل ہو گئے ہونگے۔ مزید اطمینان کیلئے ہم ان تمام جزئیات پر بھی کلام کرتے ہیں جن سے اس کو خلجان پیش آیا ہے مگر مقدمہ کے طور پر سائل کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ استمداد واستعانت بالغیر جس کو ہم منع کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ نبی یا ولی سے یوں کہا جائے کہ تم میری یہ حاجت پوری کردو، تم میرا یہ کام بنا دو اور اگر ان سے اس طرح نہ کہے بلکہ خدا تعالیٰ سے ان کے توسل سے دعا کرے یا ان سے یہ کہے کہ تم میرے واسطے خدا تعالیٰ سے دعا کرو، جبکہ ان کا دعا کرسکنا مشاہدہ یا نص سے ثابت ہو۔ یہ استمداد ہمارے نزدیک ناجائز نہیں اور

درحقیقت اس کو استمداد کہنا ہی مجاز ہے۔ دراصل یہ صورت توسل کے نام سے موسوم ہے جس کو کوئی ناجائز نہیں کہتا۔

پس سائل نے سب سے پہلے جو حدیث ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کیلئے پانی اور ضروریات کی چیزیں حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضورؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کی رفاقت مجھے نصیب ہو **قال او غیر ذلک قال ھو ذالک قال فاعنّی علی نفسک بکثرۃ السجود** . اھ۔ مسلم (ج ا ص ۱۹۳) آپؐ نے فرمایا کہ اس کے سوا اور کچھ مانگو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اپنے نفس کے حق میں کثرت سجود سے تم میری مدد کرو۔ اھ۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی چیز کی درخواست کی جو عادۃً قدرت بشری سے خارج ہے یعنی جنت میں رفاقت مگر تفصیل گزشتہ میں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جو صورت استمداد اس حدیث میں مذکور ہے وہ آٹھویں قسم میں داخل ہے۔ جس کو ہم جائز کہتے ہیں۔ ناجائز نہیں کہتے علاوہ ازیں ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے آپ کا یہ فرمانا کہ مانگو اس کا مطلب محاورہ کے موافق تو یہی ہے کہ جو چیز ہم دے سکتے ہیں وہ مانگو چنانچہ بعض دفعہ سلاطین دنیا بھی اپنے خدام سے ایسا کہہ دیا کرتے ہیں کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جس کا مطلب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ جو چیز ہمارے قبضہ قدرت میں ہے، وہ مانگو یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جو چاہو مانگو سب ہمارے قبضہ میں ہے۔

پس اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ حضورؐ کے قبضہ میں سب کچھ ہے آپ جس کو جو چاہیں دے سکتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ رہا یہ کہ پھر ربیعہ اسلمی نے ایسی درخواست کیوں کی اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو قرینہ حال سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص وقت ہے کہ آپ نے بدون کسی قید کے یہ ارشاد فرما دیا

کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس وقت میں جو کچھ مانگ لوں گا حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مجھے ضرور عطا فرما دینگے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایسی درخواست کی جو حضور کے اختیار سے باہر اور محض خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل تھی۔ کیونکہ صحابی جانتے تھے کہ میرا سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محض ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ حقیقت میں میرا سوال حق تعالیٰ سے ہے اور اس کی قدرت میں سب کچھ ہے اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ذریعہ اور وسیلہ اور دعا و شفاعت فرمانے والے ہیں۔

چنانچہ یہ حقیقت حضورؐ کے آئندہ کلام سے اچھی طرح واضح ہوگئی۔

﴿قال فاعنی علی نفسک بکثرة السجود﴾

''کہ تم کثرت سجود سے اپنے نفس کے حق میں میری مدد کرو۔''

اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ درخواست میرے قبضہ سے باہر ہے ہاں میں اس کے لئے دعا و شفاعت سے کوشش کرونگا اور تم کثرت سجود کے ساتھ کوشش کرتے رہنا۔ اس حدیث سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ جنت میں داخل کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں داخل کر دیں۔ اگر آپ کو اختیار تام ہوتا اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہ ہوتی تو اس قید کی کیا ضرورت تھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار تام حاصل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو مومن اور جنتی کیوں نہ بنا دیا۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو جنتی بنانے کی بہت ہی کوشش کی مگر ان کی قسمت میں جنت نہ تھی۔ اس لئے آپؐ کی کوشش کارگر نہ ہوئی اور آپ کو اس کے خاتمہ کفر سے رنج بھی ہوا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ﴾

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔''

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ○ وَمَا اَکْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ﴾

''تو شاید آپ اپنے آپ کو اس وجہ سے ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔''

پس اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ نصوص قرآنیہ کے بالکل خلاف ہے وہاں تو صاف تصریح ہے۔

﴿قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ﴾

''اے رسول فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے (بھی) کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں ہاں مگر جو خدا چاہے''

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی جنت میں اپنے عمل سے نہ جائیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اپنے عمل سے نہ جاؤں گا۔ ہاں مگر یہ کہ خدا کا فضل و رحم مجھے ڈھانپ لے۔ غرض بکثرت نصوص موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت و دوزخ میں بھیجنے کا اختیار بجز خدا کے کسی کو نہیں۔ ہاں انبیاء و اولیاء باذن الٰہی شفاعت و دعا مومنین کے واسطے کریں گے۔ جو دربار الٰہی میں قبول ہو کر ان حضرات کے اعزاز و تقرب کی دلیل ہوگی۔

پس ربیعہ اسلمی کے سوال سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اوقات ایسی حالت ہوتی تھی کہ اس وقت آپ جس کے لئے جو دعا فرما دیتے تھے وہ بطور اعجاز کے قبول ہو جاتی تھی۔ جس کا دوام و استمرار نہ ضروری ہے نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں قبول نہیں ہوئیں اور حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ و علی قاریؒ کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا قید جو یہ فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ خاص حالت نصیب تھی کہ جس کے لئے آپ جو دعا

فرماویں گے قبول ہوجائے گی۔ باقی دعا وشفاعت کے سوا اختیار تام حاصل ہونا یہ مطلب شیخ کا ہرگز نہیں۔ چنانچہ اسی جگہ باذن پروردگار خود کے لفظ سے اس کی نفی ہوگئی ہے۔

اور کتاب الجہاد اشعۃ اللمعات میں تو حضرت شیخ نے اس مطلب کو بخوبی واضح کردیا ہے ونصہ ہذا چہ میخواہند ایشاں باستمداد وامداد کہ ایں فرقہ منکر اند آنرا آنچہ ما می فہمیم ازاں ایں است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ دعا میکند خدارا وطلب می کند حاجت خودرا از جناب عزت وغنائے وے وتوسل می کند بروحانیت ایں بندۂ مکرم ومقرب در درگاہ عزت ومیگوید خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ رحمت کردۂ بروئے واکرام کردۂ او را بلطف وکرمی کہ بوے داری۔ برآوردہ گردان حاجت مرا کہ تو معطی نہ کریمی۔ یا ندای کند ایں بندۂ مکرم و مقرب را کہ اے بندہ اے ولی وے شفاعت کن مرا بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول ومطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا پس معطی ومسئول پروردگار ست تعالیٰ وتقدس ونیست ایں بندہ درمیان مگر وسیلہ ونیست قادرہ فاعل ومتصرف در وجود مگر حق سبحانہ واولیائے خدا فانی و ہالک اند در فعل الٰہی وقدرت وسطوت دے ونیست ایشاں را فعل وقدرت تصرف نہ اکنوں کہ در قبور اندنہ در ہنگام کہ زندہ بوند در دنیا واگر ایں معنی کہ در امداد واستمداد ذکر کردہ ایم موجب شرک وتوجہ بما سوائے حق باشند چنانکہ منکر زعم می کند پس باید کہ منع کردہ شود توسل وطلب دعا از صالحان ودوستان خدا در حالت حیات نیز وایں ممنوع نیست بلکہ مستحسن ومستحب است باتفاق وشائع است در دین۔ اھ

اس میں صاف تصریح ہے کہ قادر ومختار وفاعل ومتصرف حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور انبیاء واولیاء ودوستانِ خدا فعل وسطوت وقدرت الٰہی میں ہالک اور فانی ہیں ان کا کچھ بھی فعل وتصرف نہیں ہوتا بلکہ وہ محض دعا وشفاعت کرتے ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت شیخ جس استمداد کو جائز فرماتے ہیں وہ وہی ہے۔ جس کو توسل کہا جاتا ہے اور اس کو علماء اہل سنت منع نہیں کرتے بلکہ اس کے منکر غیر مقلدین فرقہ وہابیہ ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت نقل کی ہے کہ ایک

نابینا شخص نے دربار رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے حق تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مجھ کو شفا عطا فرمائے آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر چاہو تو میں دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا ہی فرما دیجئے چنانچہ آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور اس دعا کو پڑھ کر حق تعالیٰ سے درخواست کرے۔

﴿اللهم انی اسئلک و اتوجه الیک بمحمد نبی الرحمة یا محمد انی قد توجهت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی. اللهم فیشفعه فی قال ابو اسحق هذا حدیث صحیح رواه ابن ماجة و اللفظ له والترمذی وقال حسن صحیح و صححه البیهقی وزاد فقام و قد ابصرا﴾ (ابن ماجه مع انجاح الحاجة (ص۱۰۰)

اس حدیث سے استمداد متعارف پر استدلال کرنا تو کسی طرح ممکن نہیں تفصیل گزشتہ میں غور کر لینے کے بعد ہر عاقل اقرار کرے گا کہ اس میں درخواست دعا اور توسل سے زیادہ کوئی بات نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں الفاظ حدیث (الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ بوسیلہ تیرے نبی محمد نبی الرحمتہ کے صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو خدا سے سوال ہے بوسیلہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اگلا لفظ اللّٰھم فیشفعه فیّ الٰھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما) طلب شفاعت میں بالکل ہی صاف اور ظاہر ہے اور توسل یا طلب دعا و شفاعت کو ہم ہرگز منع نہیں کرتے اس کو استعانت و استمداد متعارف سے کیا واسطہ استعانت تو جب ہوتی کہ آپ سے سوال ہوتا یہاں تو خدا سے سوال ہے وہی دینے الا ہے پس یہ تو صاف توسل کی صورت ہوگئی پھر آگے اور بھی صاف ہے۔

﴿یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی﴾

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو جائے۔"

رہا یہ کہ اس حدیث میں آپ کو ندا ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ ندائے بعید نہیں بلکہ ندائے قریب ہے کیونکہ وہ نابینا مسجد نبوی میں یہ دعا کر رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریب ہی وہاں تشریف فرما تھے تو جس وقت اس نے حضور کا نام بصیغۂ ندا لیا ہوگا اس وقت آپ نے بھی بطور شفاعت کے دعا فرما دی ہوگی لہٰذا اس میں تو کچھ بھی اشکال نہیں ہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ طبرانی وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف نے بعد وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک شخص کو یہ دعا صیغہ ندا ہی کے ساتھ تعلیم فرمائی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ندا کی چوتھی قسم میں داخل ہے جس کو جائز کہتے ہیں کہ ندا غائبانہ ہو مگر ندا کا قصد نہ ہو بلکہ کسی دعا میں آیت یا حدیث سے ندا کا صیغہ ثابت تھا اس کو اسی طرح دعا سمجھ کر پڑھ دیا دوسرے یہ ایک صحابی کا فعل ہے اور فعل صحابی اگر اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا بلکہ خود اسی میں تاویل کی جائے گی کیونکہ صحابی سے غلطی اجتہادی ہو جانا ممکن ہے اور وصال نبوی کے بعد آپ کو ندا کرنا اصول شرعیہ کے خلاف ہے چنانچہ اسی لئے بعض صحابہ وصال نبوی کے بعد تشہد میں بجائے السلام علیک ایھا النبی کے صرف السلام علی النبی بحذف ندا کہتے تھے۔

قال عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبرنی عطاء ان الصحابةؓ کانوا یقولون والنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حی السلام علیک ایھا النبی فلما مات قالوا السلام علی النبی وھذا اسناد صحیح . اھ (فتح الباری، صفحہ ۲۶ ج ۲)

عبدالرزاق کو ابن جریج نے خبر دی کہ ان سے عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو السلام علیک ایھا النبی (تشہد میں) کہتے تھے (کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام نازل

ہو) پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو وہ السلام علی النبی کہنے لگے (کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام نازل ہو یعنی حرف ندا کو حذف کر دیا) یہ سند صحیح ہے۔ اور درحقیقت اصول شرعیہ کے موافق قیاس کا مقتضی یہی تھا جو ان بعض صحابہ نے کیا لیکن علماء مذہب نے تشہد میں اس قیاس کو اس لئے ترک کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ آپ قرآن کی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے تو جس طرح آیات قرانیہ میں جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیغۂ ندا یاد کیا گیا ہے مثلاً یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط و امثالها اور آیات میں تغیر و تبدل جائز نہیں اسی طرح تشہد میں بھی تغیر کو پسند نہیں کیا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس کے جواب میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

﴿روی سعید بن منصور من طریق ابی عبیدة بن عبدالله بن مسعود عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم علمهم التشهد فذکره قال فقال ابن عباس انما کنا نقول السلام علیک ایها النبی اذ کان حیًّا فقال ابن مسعود هکذا علّمنا وهکذا نعلم اھ (ذکره الحافظ فی الفتح ایضاً ص ۲۶، ج ۲ و اعلّه بان ابا عبیدة لم یسمع من ابیک قلت قد صحح الدارقطنی احادیثه عن ابیه فاما ان ثبت عنده سماعه منه او عرف ان الواسطة بینهما ثقة﴾

''سعید بن منصور نے ابو عبیدہ کے واسطے سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے والد بزرگ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد (اس طرح) تعلیم فرمائی پھر اس کو بیان کیا ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ بن عباس نے یہ کہا کہ ہم تشہد میں السلام علیک ایها النبی اس وقت کہتے

تھے جبکہ حضور زندہ تھے۔''

(مطلب یہ تھا کہ اب صیغۂ ندا حذف کردینا چاہیے) عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم کو اسی طرح تعلیم دی گئی ہے اور اس طرح ہم تعلیم دیں گے۔ اھ۔

مگر ظاہر ہے کہ جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی اس میں تشہد کے برابر اہتمام تعلیم نہ تھا لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں سے حرف ندا کو حذف نہ کیا جائے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی عام تعلیم فرمائی تھی جہاں بعض مصلین یقیناً بعید وغائب تھے اس سے اس ندا کا جواز نص سے ثابت ہوتا ہے بخلاف حدیث اعمیٰ کے کہ آپ کی تعلیم عام نہ تھی۔ یہاں قیاس پر عمل کیا جاوے گا علاوہ ازیں یہ کہ طبرانی وبیہقی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی اس سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میضاۃ پر جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعتیں پڑھو پھر اس دعا کے ذریعہ سے اپنی حاجت خدا سے مانگو۔ جس سے متبادر یہی ہے کہ آپ نے اس کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور وہاں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اسی طرح تشریف فرما ہیں جس طرح بزمانۂ حیات تھے تو اس صورت میں ندا غائب بھی لازم نہیں آتی۔

﴿روی الطبرانی فی الکبیر الحدیث بطوله وفیه فقال له ان حنیف ائت المیضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل رکعتین ثم قل اللهم انی اسئلک الخ و رواه البیهقی من طریقین نحوه و اخرج الطبرانی فی الکبیر والاوسط بسند فیه روح بن صلاح و ثقه ابن حبان و الحاکم و فیه ضعف وبقیة رجاله رجال الصحیح اھ ملخصا بجاح الحاجة (ص ۱۰۰) قلت والاختلاف فی التوثیق لایضر﴾

اور اگر کسی نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قید بھی نہ لگائی ہو تو ممکن ہے کہ اس نے لفظ ندا کو باتباع لفظ وارد استعمال کیا ہو اور ندا کا قصد نہ ہو جیسا کہ تشہد میں بھی محض اتباع لفظ وارد کی وجہ سے ندا کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اور ندا کا قصد نہیں ہوتا۔ پس یہاں چونکہ حدیث میں بصیغۂ ندا تعلیم واقع ہوئی ہے اس میں تو گنجائش ہے دوسری جگہ استعمال ندا کی کیا دلیل ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم سب کو عثمان بن حنیف کے فعل پر قیاس کر لیں گے اس کا جواب ظاہر ہے کہ ان کا فعل خود خلاف قیاس ہے جس پر قیاس صحیح نہیں پھر انہوں نے محض لفظ حدیث کی اتباع کی بناء پر خاص ایسی دعا میں ایسا کیا ہے اور تم جو دوسرے اقوال میں ندا کرتے ہو اس میں تعلیم نبوی کا کون سا اتباع ہے پھر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امت کا سلام و پیام پہنچانے کے لئے فرشتے مامور ہیں ممکن ہے کہ سلف نے صیغۂ ندا کو اسی خیال سے اس دعا میں استعمال کیا ہو کہ فرشتے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیں گے اور ان کا قصد ندا کا نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو ندا کرنے میں یہ تاویل بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ خصوصیت کسی اور کے لئے ثابت نہیں اس کے بعد سائل نے تیسری حدیث زین بن علی کی پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی راستہ بھول جائے یا جنگل بیابان میں جہاں کوئی آدمی نہ ہو اسے کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہو تو وہ **یا عباد اللّٰہ اعینونی** کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے وہ اس کی امداد کر دیں گے۔

اس سے بعض لوگوں نے ندا غائب کے جواز پر استدلال کیا ہے مگر اولاً گزارش یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس سے احتجاج نہیں ہوسکتا کیونکہ حدیث ضعیف پر اس وقت عمل جائز ہے جبکہ وہ اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس حدیث میں ندا غائب مذکور ہے تو اصول حدیث و فقہ کے مطابق ہم کو یہ عرض کرنے کا حق ہے کہ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوسکتے بالخصوص جبکہ وہ اصول شرع کے خلاف وارد ہوں۔ عزیزی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کو عبداللہ بن مسعود کی روایت سے نقل

کر کے کہا ہے قال الشیخ حدیث ضعیف اھ (صفحہ ۵ جلد ۱)

اور حاشیہ حصن حصین میں جولکھا ہے قال بعض العلماء الثقات حدیث حسن یحتاج الیه المسافرون اھ (صفحہ ۱۲۷)

سو اس سے تحسین بقاعدۂ محدثین مراد نہیں بلکہ مجرب ہونے کے اعتبار سے تحسین مراد ہے یہ حدیث مسافروں کے لئے کارآمد ہونے کے اعتبار سے عمدہ ہے اور اگر بقاعدۂ روایت ہی تحسین مراد ہو تو چونکہ ان بعض علماء ثقات کا نام معلوم نہیں اس لئے ایسی مجہول تحسین اثبات احکام کے لئے کافی نہیں۔ پھر بعد تسلیم صحت اس حدیث سے نداء غائب کا جواز کسی طرح نہیں نکل سکتا کیونکہ حدیث سے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ عباد اللہ کہاں ہیں اس کے قریب ہیں یا بعید ہاں اتنا معلوم ہوا کہ یہ ان کو دیکھتا نہیں مگر ظاہر ہے کہ متکلم کا نہ دیکھنا مخاطب کے قرب و بعد یا سماع و عدم سماع کی دلیل نہیں ہوسکتا خصوصاً جبکہ عبداللہ بن مسعود کی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ وہ عباد اللہ جنگل ہی میں حاضر ہوتے ہیں۔

﴿کما فی الجامع الصغیر مع العزیزی اذا انفلتت دابة احدکم بارض فلاةٍ فلیناد یا عباد اللّٰہ احبسوا علیَّ فان للّٰہ فی الارض حاضراً سیحبسه علیکم ع و ابن السنی طب عن ابن مسعود قال الشیخ حدیث ضعیف اھ ای رواہ ابو یعلی و ابن السنی والطبرانی عن عبداللہ.﴾

شارح عزیزی لفظ حاضراً کی شرح میں لکھتے ہیں۔

﴿خلقا من خلقه انسیا او جنیا او ملکاً لا یغیب﴾ اھ (ص ۱۰۵ جلد ۱)

''یعنی زمین میں اللہ کی بعض مخلوق ایسی ہے جو غائب نہیں ہوتی خواہ وہ انسان ہوں یا جن یا فرشتے۔''

پس اب تو کسی طرح اس کو ندا غائب نہیں کہا جاسکتا رہا یہ کہ اس میں مخلوق سے

طلب اعانت ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ استعانت زندہ مخلوق سے امور عادیہ میں ہے (جو عادۃً قدرت بشری یا جنی یا ملکی میں داخل ہیں مثلاً بھاگے ہوئے جانور کو روک دینا یا گم شدہ چیز کو تلاش کر دینا یا رستہ بتلا دینا وغیرہ) اور ایسی استعانت ہمارے نزدیک جائز ہے جیسا کہ تفصیل گزشتہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ غائبین سے یا مردوں سے بھی دنیوی حاجات میں بالخصوص امور غیر عادیہ میں استعانت جائز ہے۔ اس کے بعد سائل نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ حضرت صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی نے آنحضرت سے بعد وفات کے کہا **الا یا رسول اللّٰہ کنت رجاء نا الخ** اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو انہوں نے یہ اشعار روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر کہے تھے جس میں ندا غائب کا احتمال ہی نہیں اور اگر غائبانہ بھی ہو تو اشعار میں محبوب کو خطاب ہمیشہ اظہار شوق و محبت وغیرہ کے لئے کیا جاتا ہے اس سے ندا مقصود نہیں ہوتی پھر اس جواب کی ضرورت بھی اس وقت ہے جبکہ حضرت صفیہ سے ان اشعار کا ثبوت بقاعدہ محدثین ہو جائے ورنہ محض اہل سیر کی روایت سے احکام کا ثبوت یا رد نہیں ہو سکتا اس کے بعد سائل نے یہ حدیث جواز استعانۃ من اہل القبور کی دلیل میں پیش کی ہے۔

﴿**قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تحيرتم في الامور فاستعينوا من اهل القبور.**﴾

مگر سائل نے اس کے ثبوت و صحت کی کوئی دلیل نہیں لکھی لہٰذا سب سے پہلے اس کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ حدیث بقاعدۂ محدثین صحیح ہے اور محض شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کا بلاسند نقل کر دینا صحت کی دلیل نہیں کیونکہ حضرت شیخ قدس سرہ اس باب میں بہت متساہل ہیں۔ پھر بتقدیر تسلیم ثبوت اس پر کیا دلیل ہے کہ اس حدیث میں استعانت کے یہ معنے ہیں کہ مردوں سے اپنی حاجات مانگا کرو۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے توسل مراد ہے کہ اموات کے وسیلہ سے دعا کیا کرو اور تخصیص اموات کی وجہ غالباً یہ ہے جو صحاح میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔

﴿**ان الحى لايؤمن عليه الفتنة**﴾

''کہ زندہ آدمی پر فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے''

اور جو لوگ ایمان پر وفات پا چکے ہیں ان پر یہ اندیشہ نہیں نیز یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جب تم کسی امر میں پریشان ہو تو زیارت قبور سے اعانت حاصل کیا کرو کیونکہ زیارت قبور سے تم کو آخرت اور موت کی یاد تازہ ہوگی جس سے اعمال صالحہ کی طرف رغبت بڑھے گی اور یہ رحمت الٰہی کا سبب ہو جائے گا اس صورت میں اس حدیث کا وہی حاصل ہوگا جو آیت **واستعینوا بالصبر و الصلوٰۃ** کا حاصل ہے اس کے بعد سائل نے امام ابو حنیفہؒ کا واقعہ بلا سند نقل کیا ہے کہ آپ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے مزار پر جاتے اور اس کے دروازہ پر جھاڑو دیتے اور مجاوروں کو بخشش عطا فرماتے اور امام رحمہ اللہ سے اپنے کاموں میں استعانت کرتے تھے۔ اھ۔ اس کے متعلق بھی یہ عرض ہے کہ اس میں کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان سے یہ عرض کرتے تھے کہ آپ میرا یہ کام کر دیجئے بلکہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق یہاں بھی استعانت سے محض توسل مراد ہے کیونکہ حضرت شیخ نے صاف صاف بیان فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک استعانت اور استمداد چاہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بوسیلہ بندہ مقرب دعا کی جائے یا اس بندۂ مقرب سے یہ عرض کیا جائے کہ وہ حق تعالیٰ سے دعا کرے سو اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے اور یہ جواب اس وقت ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کا یہ واقعہ بسند صحیح ثابت ہو جائے جو کہ تقریباً ناممکن ہے کیونکہ زمانہ تابعین و تبع تابعین تک مزاروں پر مجاوروں کے رہنے اور ان کو بخشش وغیرہ دینے کی بدعت شروع نہ ہوئی تھی لہٰذا غالب گمان یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اسی طرح سائل نے زبدۃ الآثار للشیخ دہلوی سے حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

من استغاث بی فی کربته کشفت عنه و من نادانی باسمی فی شدةٍ فرجت عنه و من توسل بی الی اللّٰه تعالیٰ فی حاجة قضیت له. اھ۔

ہمارے نزدیک یہ بھی سراسر موضوع ہے اور حضرت شیخ عبدالحقؒ کا بلا سند اس کو

نقل کر دینا حجت نہیں جب تک کہ حضرت شیخ سے غوث اعظمؒ تک سلسلہ روایت پھر ان راویوں کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو کیونکہ فاضل سائل کو یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ اثبات احکام کیلئے حدیث ضعیف بھی کافی نہیں۔ نیز اگر حدیث ضعیف اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ پھر ائمہ و اولیاء اللہ کے اقوال و افعال سے احکام کا ثبوت کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ وہ بلا سند ہوں یا سند ضعیف سے ثابت ہوں۔

پس اب دو صورتیں ہیں اگر اصول سے کام لیا جائے تو ان بلا سند اقوال و افعال کو رد کر دینا چاہیے اور اگر مصنفین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان اقوال و افعال کو صحیح محمل پر محمول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ بتقدیر تسلیم ہمارے نزدیک حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اپنی مصیبت میں خدا تعالیٰ سے میرے وسیلہ سے فریاد کرے گا۔ اس کی مصیبت دور ہو جائیگی اور جو کوئی میرا نام لیکر خدا تعالیٰ سے اپنی تکلیف میں دعا کرے گا اس کی تکلیف زائل ہو جائے گی۔

چنانچہ اگلا فقرہ و من توسل بی الی اللّٰہ تعالیٰ[1] فی حاجۃ قضیت لہ (جو کوئی اپنی حاجت کیلئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مجھ سے توسل کرے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی)۔ اس مطلب پر قرینہ ظاہرہ ہے اور ہمارے نزدیک اس عبارت میں کشفت و فرجت و قضیت یہ تمام الفاظ بصیغۂ مونث ہیں بصیغۂ تکلم نہیں ہیں اور اگر صیغۂ تکلم کو بھی صحیح مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں اپنی قدرت و تصرف سے ایسا کروں گا۔ کیونکہ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت میں یہ امر صاف طور پر مذکور ہے کہ اولیاء کیلئے نہ اس وقت قدرت تصرف کسی فعل کی ثابت ہے جبکہ وہ قبروں میں ہیں اور نہ اس وقت ثابت تھی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادر و فاعل و متصرف ہر فعل میں حق تعالیٰ شانہ ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس مصیبت و کلفت کے زائل ہونے اور حاجت پوری ہونے کے لئے دربار الٰہی میں دعا و سفارش کرونگا۔ جس سے انشاء اللہ وہ مصیبت زائل اور حاجت پوری ہو جائے گی اور ندائی یاسمی سے نداء غائب پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میرا نام لیکر خدا سے دعا کرے۔ جس کا حاصل وہی ہے کہ مجھ سے توسل

نقل کر دینا حجت نہیں جب تک کہ حضرت شیخ سے غوث اعظمؒ تک سلسلہ روایت پھر ان راویوں کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو کیونکہ فاضل سائل کو یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ اثبات احکام کیلئے حدیث ضعیف بھی کافی نہیں۔ نیز اگر حدیث ضعیف اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ پھر ائمہ و اولیاء اللہ کے اقوال و افعال سے احکام کا ثبوت کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ وہ بلا سند ہوں یا سند ضعیف سے ثابت ہوں۔

پس اب دو صورتیں ہیں اگر اصول سے کام لیا جائے تو ان بلا سند اقوال و افعال کو رد کر دینا چاہیے اور اگر مصنفین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان اقوال و افعال کو صحیح محمل پر محمول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ بتقدیر تسلیم ہمارے نزدیک حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اپنی مصیبت میں خدا تعالیٰ سے میرے وسیلہ سے فریاد کرے گا۔ اس کی مصیبت دور ہو جائیگی اور جو کوئی میرا نام لیکر خدا تعالیٰ سے اپنی تکلیف میں دعا کرے گا اس کی تکلیف زائل ہو جائے گی۔

چنانچہ اگلا فقرہ ومن توسل بی الی اللّٰہ تعالیٰ[1] فی حاجة قضیت له (جو کوئی اپنی حاجت کیلئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مجھ سے توسل کرے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی)۔ اس مطلب پر قرینہ ظاہرہ ہے اور ہمارے نزدیک اس عبارت میں کشفت وفرجت وقضیت یہ تمام الفاظ بصیغہ مونث ہیں بصیغہ تکلم نہیں ہیں اور اگر صیغہ تکلم کو بھی صحیح مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں اپنی قدرت وتصرف سے ایسا کروں گا۔ کیونکہ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت میں یہ امر صاف طور پر مذکور ہے کہ اولیاء کیلئے نہ اس وقت قدرت تصرف کسی فعل کی ثابت ہے جبکہ وہ قبروں میں ہیں اور نہ اس وقت ثابت تھی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادر و فاعل ومتصرف ہر فعل میں حق تعالیٰ شانہ ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس مصیبت وکلفت کے زائل ہونے اور حاجت پوری ہونے کے لئے دربار الٰہی میں دعا و سفارش کرونگا۔ جس سے انشاء اللہ وہ مصیبت زائل اور حاجت پوری ہو جائے گی اور نادانی باسمی سے نداء غائب پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میرا نام لیکر خدا سے دعا کرے۔ جس کا حاصل وہی ہے کہ مجھ سے توسل

کرے اور خدا تعالیٰ سے سوال کرے اور مجھ کو ذریعہ واسطہ وسیلہ قرار دے

چنانچہ دوسری جگہ یہ الفاظ صاف مذکور ہیں۔ ویذکر اسمی ویذکر حاجۃ فانھا تقضی باذن اللہ تعالیٰ یعنی میرا نام لے اور اپنی حاجت کو ذکر کرے تو وہ خدا کے حکم سے پوری ہو جائیگی (برکات الامداد ص ۱۹) رہا یہ کہ حضرت غوث اعظم کے بعض مریدوں نے ایک مرتبہ خوفناک جنگل میں یا شیخ عبدالقادر جمالی فقدت (اے شیخ عبدالقادر میرے اونٹ کھو گئے) کہا تھا سو اس میں اول تو وہی گزارش ہے کہ اس واقعہ کا صحیح ہونا بسند ثابت کیا جائے دوسرے اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ مرید عالم متقی تھے کوئی جاہل نہ تھے۔ ممکن ہے کہ یہ کسی جاہل مرید کا فعل ہو جو کسی درجہ میں بھی قابل التفات نہیں رہا یہ کہ اس مرید کے ایسا کہنے سے فوراً اس کی امداد کیلئے ایک سفید پوش ظاہر ہو گیا تھا۔ جس نے وہ گمشدہ اونٹ اس کو بتلا دیئے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ کوئی عالم متقی شخص تھا کیونکہ جاہل مشرک لوگ بھی بکثرت اپنے دیوتاؤں سے مرادیں مانگتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کی بھی بعض مرادیں پوری کر دیتے ہیں اس سے یہ ہرگز دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مشرک صحیح راستہ پر ہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مرید عالم و متقی بھی تھے تو ہر عالم کا فعل کب حجت ہو سکتا ہے۔

پھر ممکن ہے کہ اس کا اعتقاد مشرکانہ نہ ہو اس نے غلبۂ شوق و محبت سے صیغہ ندا کا استعمال کیا ہو جس کو ہم ناجائز نہیں کہتے۔ مگر چونکہ آجکل عوام کے عقائد مسئلہ ندا میں شرک و کفر کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو اس سے منع کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد سائل نے سیدی احمد مرزوقؒ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان سے شیخ ابو العباس حضرمیؒ نے پوچھا کہ زندہ ولی کی امداد زیادہ قوی ہے یا مردہ کی۔ انہوں نے کہا کہ بعض لوگ تو زندہ کی امداد کو قوی بتلاتے ہیں مگر میرے نزدیک مردہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا کہ ہاں یہی صحیح ہے کیونکہ وہ دربار حق میں پہنچ گیا ہے۔ اھ۔

سو اس کو استعانت سے کوئی بھی واسطہ نہیں کیونکہ اس میں اس کا کچھ بھی ذکر نہیں کہ مردوں سے استعانت کرنا چاہیے اور ان سے یوں کہنا چاہیے کہ تم ہمارا یہ کام کر دو

بلکہ یہاں امداد سے افاضہ روحانی مراد ہے۔ چنانچہ صوفیہ کے کلام میں مدد اور امداد کا لفظ بمعنی فیض وافاضہ روحانی بکثرت مستعمل ہوتا ہے۔

پس حاصل اس کا یہ ہوا کہ ولی میت کا فیض روحانی زیادہ قوی ہوتا ہے اور ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے مرنے کے بعد بھی روحانی فیض حاصل ہوسکتا ہے اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لئے بشرائط مخصوصہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے فیض حاصل کرنا ہمارے نزدیک جائز بھی ہے۔ ہم تو صرف اس کو حرام کہتے ہیں کہ ان کو حاجت روا سمجھا جائے یا خود ان سے مزار پر جا کر یا دور ہی بیٹھے یہ کہا جائے کہ تم ہمارا یہ کام کردو باقی ان سے توسل کرنے یا ان کی روحانیت سے فیض حاصل کرنے کو ہم منع نہیں کرتے فافہم۔

اس کے بعد سائل نے جناب علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ کی تفسیر سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ **وقد تواتر عن کثیر من الاولیاء یعنی ارواحھم انھم ینصرون اولیائھم ویدمرون اعدائھم** اھ۔ کہ بہت سے اولیاء یعنی ان کی ارواح سے درجہ تواتر کو یہ بات پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور ان کے دشمنوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اھ۔ مگر نہ معلوم اس کو استعانت مروّجہ سے کیا تعلق ہے کیا تفسیر مظہری میں کہیں بھی یہ ذکر ہے کہ اولیاء اللہ کو دور بیٹھے یا مرنے کے بعد اپنی امداد کیلئے پکارا کرو۔ یا ان کے مزاروں پر جا کر خود ان سے ہی اپنی حاجتیں مانگا کرو۔

جو عبارت فاضل سائل نے نقل کی ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے وفات کے بعد بھی کرامات کا ظہور ہوتا ہے اس کا کون منکر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جس طرح زندگی میں جس قدر کرامات ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ ان میں فاعل ومتصرف اور قادر صرف حق تعالیٰ ہے اور وہ محض ذریعہ اور وسیلہ ہوتے تھے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی وہ خود کچھ نہیں کرسکتے بلکہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کی ارواح کو ظہور کرامت کا وسیلہ اور ذریعہ بنا دیتے ہیں اور درحقیقت وہ خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے۔

پس اولیاء سے بعد وفات کے ظہور کرامات کا ہم کو بھی انکار نہیں۔ سائل نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے مکتوبات میں سے بھی ایک عبارت

نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسی طرح اہل حاجات اپنے زندہ اور مردہ عزیزوں سے خطرناک حوادث میں مدد طلب کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ان عزیزوں کی روحیں حاضر ہو کر ان سے بلاؤں کو دفع کر دیتی ہیں۔ اھ۔

اس میں بھی صرف اس کا بیان ہے کہ اولیاء و مشائخ سے حیات میں بھی اور مرنے کے بعد بھی کرامات و خوارق کا ظہور ہو سکتا ہے۔ رہا یہ کہ اہل حاجات ان سے امداد طلب کرتے ہیں اس کا وہی مطلب ہے جو شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے استعانت و استمداد کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے یعنی وہ ان کے توسل سے حق تعالیٰ کی جناب میں امداد کے خواہاں ہوتے ہیں اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود ان سے حاجات مانگتے ہیں اور وہ ارواح خود کچھ کر سکتی ہیں۔ حاشا و کلا قطب وقت شیخ عبدالقدوس قدس سرہ در مکتوبات خود می فرمایند۔ بندہ بیچارہ قادر یست کہ درعین قدرت خود عاجز است ۔ و مختاریست کہ درعین اختیار خود ضعیف است چرا کہ تہمت اختیار بروئے نہادہ اند۔

ہر نیک و بدے کہ درجہاں می گزرد　　خود می کند و بہانہ برعام نہاد

اے عزیز آنکہ اختیار بندہ را قوت می نہد مگر دیدہ اش اینجا نظر نیفتادہ است کہ حق تعالیٰ می فرماید خُلِقَ الانسان ضعیفاً اختیار بندہ صفت بندہ است وصفت از موصوف جدا نیست پس لا جرم بندہ با جملہ صفاتِ خود ضعیف و عاجز بود اھ ملخصا (ص ۳۰)

سائل فاضل کو سمجھنا چاہیے کہ کرامات اولیاء معجزات انبیاء سے زیادہ تر نہیں ہو سکتیں اور معجزات کے بارہ میں حق تعالیٰ کا صاف ارشاد موجود ہے.

﴿وما كان لِرَسُولٍ اَنْ يَّاتِيَ بِآيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

''کسی نبی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ بدون خدا تعالیٰ کے حکم کے کوئی معجزہ لا سکے''۔

پھر اولیاء میں کب یہ طاقت ہے کہ وہ خود کوئی کرامت ظاہر کر سکیں یا کسی شخص کی امداد بدون حکم خداوندی کر سکیں۔

﴿يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

''اسی سے تمام زمین وآسمان والے سوال کرتے ہیں''

پس استعانت واستمداد اسی سے ہونی چاہیے ہاں مقربان بارگاہ سے توسل کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد سائل نے منہیہ ردالمختار کی عبارت نقل کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی انسان کی کوئی چیز ضائع ہو جائے اور وہ چاہے کہ حق تعالیٰ اسے واپس فرمادیں تو اس کو چاہیے کہ ایک اونچی جگہ پر روضہ (احمد بن علوانؒ) کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور یہ کہے کہ اے سیدی احمد بن علوان میری گم شدہ چیز مجھے واپس کردو ورنہ میں تمہارے (نام) کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ انتہی ملخصا۔ نیز علامہ خیرالدین رملی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر کہنا نداء ہے اور جب اس کے ساتھ شیئا للہ ملا دیا جائے تو اس میں خدا واسطے ایک چیز مانگنا ہے۔ اس کی حرمت کا کیا سبب ہے۔ اھ۔

امر اول کی نسبت یہ گزارش ہے کہ یہ منہیہ ردالمحتار میں کسی نے غالباً ملحق کر دیا ہے۔ علامہ شامی کا اس کو فتوی سمجھنا بالکل غلط ہے کیونکہ صورت اولی میں ایک ولی کے ساتھ جس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں۔ بھلا جو شخص ایک ولی سے استعانت کرے اسی کو خود یہ دھمکی بھی دے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ اس گستاخی کی کچھ حد ہے پس یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر علامہ شامی کے نزدیک اولیاء سے استعانت جائز ہے تو وہ اس گستاخی کی کیونکر اجازت دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس نداء واستعانت سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ متصرف ہیں اور جو شخص اس طرح ندا کریگا وہ یقیناً ان کو متصرف سمجھے گا اور علامہ شامی نے ایک مقام پر اس کی تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ کو متصرف سمجھنا کفر ہے۔

﴿ومنها انه ان ظنَّ ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالىٰ و اعتقادهٗ ذلك كفر﴾ اھ (ص۲۰۶ ج۲)

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مقصود ان کا اس عمل کی خاصیت بیان کرنا ہے۔ قطع نظر جواز وعدم جواز سے جیسا قول جمیل میں مولانا حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک عمل کشف وقائع کا لکھا ہے اور اس میں ایک قرآن پشت کی طرف بھی رکھا جاتا ہے۔ تو یہ دلیل جواز

نہیں ہے اور علامہ رملی کے قول کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ یا شیخ عبدالقادر شیئا للہ کی حرمت کا کیا سبب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی سمجھ میں وجہ حرمت نہیں آئی۔ سو ان کی سمجھ میں نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجہ حرمت واقع میں بھی نہ ہو لان فوق کل ذی علم علیم o دوسرے علماء کی سمجھ میں وجہ حرمت آ گئی ہے اور انہوں نے اس کو بیان بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔

﴿کذا قول شیئ للّٰہ قیل بکفرہ اھ (۴۷۵ ج ۳) و فی ردالمحتار لعل وجہ انہ طلب شیئا اللّٰہ تعالیٰ واللّٰہ تعالی غنی عن کل شیئ والکل مفتقر و محتاج الیہ و ینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت اطلب شیئا اکراما للّٰہ اھ شرح الوھبانیہ قلت فینبغی او یجب التبا عد عن ھذہ العبارۃ و قد مر ان مافیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار و تجدید النکاح لکن ھذا ان کان لایدری ما یقولُ اما ان قصد المعنی الصحیح فالظاھر انہ لاباس بہ﴾ اھ (ص ۴۷۵، ج ۳)

ترجمہ:- ''اسی طرح شیئا للہ کہنے سے بعض کے نزدیک کفر ہو جاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کیلئے ایک چیز مانگی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں اور مناسب یہ ہے کہ عدم تکفیر کو ترجیح دی جائے کیونکہ قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا مقصود خدا کی عظمت کے صدقہ سے سوال کرنا تھا شارح کہتے ہیں۔''

کہ پس مناسب بلکہ واجب یہ ہے کہ ایسے الفاظ سے احتراز کیا جاوے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ جن الفاظ سے کفر ہونے میں اختلاف ہے ان میں توبہ و استغفار و تجدید نکاح کا حکم کیا جاویگا لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ کہنے والے کو یہ نہ معلوم ہو کہ میں کیا کہہ رہا

ہوں (اور اس کا مطلب کیا ہے) اور اگر صحیح معنی (کو جانتا ہو اور اسی) کا قصد کرتا ہو تو بظاہر اس میں کہنے کی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے جو کہ صحیح معنے اور غلط میں فرق نہیں سمجھتے بالخصوص اگر اس کے ساتھ یا شیخ عبدالقادر بھی ملا دیا جائے۔ جب تو کفر کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ عوام حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ و دیگر اولیاء کو اس اعتقاد کے ساتھ ندا کرتے ہیں کہ وہ متصرف ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں اور جو کوئی ان کو پکارتا ہے اس کی بات کو سنتے ہیں اور اوپر علامہ شامی کا قول گزر چکا ہے جس میں وہ صاف فرماتے ہیں کہ اولیاء کو متصرف سمجھنا اعتقاد کفر ہے۔

مولانا عبدالحی قدس سرہٗ اپنے فتاوی میں یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کے وظیفہ کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں ثانیاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن است ندائے اموات راز مکنہ بعیدہ و شرعاً ثابت نیست کہ اولیاء را قدرتے حاصل است کہ از مکنہ بعیدہ ندارا بشنو ندا البتہ سماع اموات سلام زائر قبر را ثابت ست بلکہ اعتقاد اینکہ کسی غیر حق سبحانہ حاضر و عالم و حالم خفی و جلی در ہر وقت و ہر آں است اعتقاد شرک ست در فتاوی بزازیہ می نویسد۔ تزوّج بلا شہود و قال خدائے ورسول خدا و فرشتگاں را گواہ کردم۔ یکفر لانه اعتقد ان الرسول و الملک **یعلمان الغیب و قال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر انتهی** وحضرت شیخ عبدالقادر اگرچہ از اجلۂ اولیائے امت محمدیہ ہستند و مناقب و فضائل شاں لاتعد ولا تحصی اند لیکن چنیں قدرت شاں کہ فریاد را از امکنہ بعیدہ بشنوند و بفریاد رسند ثابت نیست۔ و اعتقاد اینکہ آنجناب ہر وقت حال مریدان خود میدانند و ندائے شاں می شنوند از عقائد شرک است واللہ اعلم۔ (ص ۳۳۱ ج ۴ مع الخلاصۃ)

فتاوی بزازیہ کی عبارت سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو گیا کہ ارواح مشائخ کو حاضر سمجھنا کہ وہ سب کچھ جانتے سنتے ہیں۔ عقیدہ کفر ہے اسی لئے ہم یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کے وظیفہ سے منع کرتے اور اس کی حرمت کا فتوی دیتے ہیں۔ فاضل سائل نے کسی کتاب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت محبوب عالم اپنے مریدوں کو بعد نماز کے شیئاً للہ یا حضرت سلطان سنجرہ ایک سو تیرہ مرتبہ پڑھنے کی اجازت دیا کرتے تھے اھ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بزرگ کا فعل شریعت میں حجت نہیں ہے۔ اس سے احکام کا ثبوت نہیں ہوسکتا بلکہ اگر کسی بزرگ سے کوئی فعل خلاف شرع صادر ہوا ہے تو حسن ظن کی بنا پر اس میں تاویل کر لینی چاہیے اور حکم شرعی کو نہ بدلنا چاہیے۔ پس اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو ممکن ہے۔ حضرت محبوب عالم رحمہ اللہ نے اس نداء کو غلبہ شوق و محبت پر محمول کر کے جائز سمجھا ہو اور جن مریدوں کو اس کی اجازت دی ہو وہ ان کے نزدیک خوش عقیدہ اور خوش فہم ہوں۔ جن کی نسبت ان کو یہ شبہ نہ ہو کہ وہ۔

لوگ اس نداء میں حضرت سلطان کے متصرف اور حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد کریں گے۔ باقی ان کے قول سے یہ استدلال کرنا کہ نداء غائب مطلقاً جائز ہے اور اولیاء اللہ ندا کو دور سے سنتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی جو کوئی ان کو پکارتا ہے اس کی ان کو خبر ہوتی ہے۔ غلط استدلال ہے کیونکہ اولیاء اللہ اتباع شریعت کے مامور ہیں۔ شریعت ان کے افعال کے تابع نہیں ہے۔ پس اگر کسی ولی سے کوئی کام خلاف شریعت ثابت ہو تو اگر وہ امت کے نزدیک مسلم ولی نہیں ہے تب تو اس کے فعل میں تاویل کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس کی ولایت تسلیم شدہ ہے تو اس کے فعل میں تاویل کر کے اس کے ساتھ بدگمانی سے روکا جائے گا۔ لیکن احکام شرعیہ کو کسی حال میں اس کے فعل کے تابع نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فصوص میں ایمان فرعون کا مسئلہ لکھا ہے یا حضرت بایزید بسطامیؒ سے سبحانی ما اعظم شانی فرمانا اور حضرت حسین بن منصور سے انا الحق کہنا منقول ہے۔

علماء شریعت نے ان سب میں مناسب تاویل کر کے ان حضرات کو کفر سے بچالیا ہے کیونکہ ان کی ولایت مسلم تھی لیکن اس تاویل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ الفاظ حقیقت میں کفر کو مستلزم بھی نہیں ہیں یقیناً اگر تاویل نہ کی جائے تو یہ الفاظ بہت سنگین ہیں۔ جن کی اجازت ہرگز کسی کو نہیں دی جاسکتی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بزرگ سے یہ منقول ہو کہ انہوں نے ایک تولہ سنکھیا کھالیا تھا۔ سو اس سے کوئی شخص یہ فتویٰ نہیں دے سکتا کہ سنکھیا کھالینا جائز ہے بلکہ ہر عاقل یہی کہے گا کہ سنکھیا کھانا حرام ہے مگر ان بزرگ کے پاس کوئی ظاہری یا باطنی تریاق ہوگا۔ جس کی وجہ سے ان کو یقین تھا کہ مجھ کو سنکھیا

نقصان نہ دے گا۔ اس لئے انہوں نے ایسا کیا دوسروں کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔

اسی طرح یا شیخ عبدالقادر شیاء للہ کا وظیفہ شرعاً حرام ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کو مکان بعید سے نداء اور ان کے حاضر و ناظر و متصرف ہونے کا ایہام ہے۔ جو کہ موجب شرک ہے اور اگر کسی ولی نے ایسا کیا ہے تو اس نے اس عقیدہ شرک و کفر سے بچنے کیلئے کوئی تاویل کر لی ہوگی ان کے فعل سے حکم شرعی نہیں بدل سکتا۔

درمختار میں ہے کہ دعا میں بمقعد العزمن عرشک کہنا ممنوع ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت میں لکھتے ہیں لان مجرد الایھام کاف فی المنع من التکلم بھذا الکلام و ان احتمل معنی صحیحاً اھ (فتاوی مولانا عبدالحی ص ۳۳۱ ج ۴ مع الخلاصة) کہ ایسے کلمات کے ممنوع ہونے کے لئے معنی کفر کا ایہام بھی کافی ہے اگرچہ اس کے صحیح معنی بھی بن سکتے ہوں۔ اھ فاضل سائل غالباً اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ آج کل عام لوگ استعانت و استمداد و نداء غیر میں کیسے کیسے شرک و کفر تک پہنچانے والے عقیدوں میں مبتلا ہیں اس صورت میں ایسے کلمات کی ان کو کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے۔ جن میں ظاہری الفاظ ہی سے ایہام کفر ہوتا ہے۔ پس ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم استعانت و استمداد و نداء مروجہ زمانہ حال سے عام و خاص سب کو منع کرتے ہیں البتہ توسل کو جائز کہتے ہیں اور اگر بزرگوں سے کوئی بات اس قسم کی ثابت ہوتی ہے تو اگر ان کی ولایت تسلیم شدہ ہے۔ ان کے فعل میں تاویل کر کے بدگمانی کو ان سے رفع کر دیتے ہیں اور حکم شرعی میں کسی طرح تبدیلی و تغیر نہیں کرتے۔

ھذا واللہ المسئول لان یثبتنا وایاکم علی الصراط المستقیم و یرزقنا و جمیع المسلمین حبه و حب نبیه الکریم و حب اصحابه و اولیاء امته ویجمعنا معھم فی دار النعیم والحمد للہ وحده و علی خیر البریة افضل الصلوة والتسلیم و علی آله و اصحابه و اولیاء امته اجمعین دائما ابدا آمین آمین۔

بیت العلوم
قرآن مجید اور اسلامی کتابوں کا مرکز